eISSN:2073-3674
pISSN:1991-7813

CC BY   OPEN ACCESS

جدید معاشرتی رویے اور ڈاکٹر اظہار اللہ اظہار کی افسانہ نگاری

Modern Social Behaviors in Fiction of Dr Izharullah Izhar

ڈاکٹر سبحان اللہ، چیئرمین شعبہ اُردو/ اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ ڈگری کالج لاہور، صوابی
Dr. Subhanullah, HOD / Assistant Professor, Govt. Degree College, Lahor, Swabi

ڈاکٹر یاسمین سلطانہ، شعبہ اُردو، فیڈرل اُردو یونیورسٹی، کراچی
Dr. Yasmeen Sultan, Urdu Department, Federal Urdu University, Karachi

ABSTRACT
Since the inception of the twentieth century to the second decade of the present century, the genre of fiction in Urdu literature has successfully evolved through new experiments and variations in terms of subject, material, art and technique. New dimensions have emerged.
Dr. Izharullah Izhar's legendary collection "Aakhri afsana" is an important addition to the mythical literature of the twenty first century. Due to the problems, created by the revolution and the modern questions related to philosophy and religion, he is suffering from skepticism, uncertainty and severe mental and emotional turmoil.
The fiction writer not only describes these modern problems and complexities in "Aakhri afsana" but also tries to find answers to some extent. The article under review examines the extent to which fiction writer have been successful in their endeavors in terms of art and thought.
KEYWORDS: Urdu Fiction, Naya Afsana, Dr. Izharullah Izhar, Generation Gap, Ekkiswee Sade

کلیدی الفاظ: اردو فکشن، نیاافسانہ، ڈاکٹر اظہار اللہ اظہار، جنریشن گیپ، اکیسویں صدی

مقالے کا عنوان " جدید معاشرتی رویے اور ڈاکٹر اظہار اللہ اظہار کی افسانہ نگاری " ہے۔ مقالے کے پہلے حصے میں اردو افسانہ کے ارتقا پر عمومی اور افسانہ میں علامت اور تجریدیت کے در آنے سے کہانی کے غائب ہونے اور پھر اکیسویں صدی میں بیانیہ افسانہ اور کہانی کی واپسی پر خصوصی بحث کی گئی ہے۔ دوسرے حصے میں افسانہ نگار اور ان کے افسانوی

مجموعے کے تعارف کے ساتھ ساتھ فنی حوالے سے اجمالی جائزہ لیا گیا ہے۔ تیسرے حصے میں افسانوں کا فکری حوالے سے تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے جب کہ آخری حصے میں بحث کو سمیٹتے ہوئے ایک مجموعی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

طریقہ کار

مقالے میں اردو افسانہ کے فنی و فکری ارتقا کو سامنے رکھتے ہوئے پہلے ڈاکٹر اللہ اظہار کے افسانوی مجموعہ "آخری افسانہ" کا گہرا مطالعہ کیا گیا ہے۔ پھر اکیسویں صدی میں جدید افسانہ کے حوالے شائع شدہ تنقیدی مواد کا جائزہ لیا گیا ہے اور پھر اس کی روشنی میں ذاتی مطالعے کی کسوٹی پر "آخری افسانہ" پر اپنی رائے پیش کی گئی ہے۔

ادبی حوالے سے اکیسویں صدی کو اردو افسانہ کی صدی کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ اس صدی میں مختصر افسانہ لکھنے کے رجحان نے ایک بار پھر حیرت انگیز طور پر زور پکڑا ہے۔ مذکورہ صدی کے افسانوں کا جائزہ لیا جائے تو ایک خوشگوار حیرت کا احساس ہوتا ہے۔ اردو افسانہ نے ایک صدی اور کم و پیش دو دہائیوں کا سفر طے کیا ہے۔ اس دوران اردو افسانہ رومانی، ترقی پسند، جدیدیت اور مابعد جدیدیت تحاریک و رجحانات سے وابستہ رہا۔ کہیں پر تخیل کی فسوں کاری نے افسانے کا رابطہ معروضیت سے کاٹ دیا، تو کہیں بے رحم حقیقت نگاری اور مقصدیت نے افسانے میں اپنا راستہ تلاش کیا۔ علامت و تجریدیت نے فرد کے داخلی کرب کو تو خوب بیان کیا مگر اس دوران افسانے سے کہانی غائب ہوتی گئی اور یوں مصنف کی موت کے اعلان کے ساتھ افسانے کا قاری بھی پسِ منظر میں غائب ہونے لگا۔ بقول انیس ناگی:

> "افسانے میں کہانی کے عنصر کو باہر دھکیلنے سے افسانہ ایک شخصی رپورتاژ بن گیا جس میں صرف "میں" کی باتیں بیان کی گئیں جن میں کوئی گہرائی نہیں تھی۔۔۔ قارئین نے نئے افسانے کو اس لیے قبول بھی نہیں کیا کہ اس میں معاشرتی حقیقتیں اور ایک کلچر کی داستان مفقود تھی۔ ان افسانہ نگاروں نے سیاسی جبر پر بار بار افسانے لکھے لیکن ان میں سے کوئی بھی جبر کی اصل نوعیت اور اس سے پیدا ہونے والے وجودی غم کی شرح نہ کر سکا۔ ان تمام عناصر نے مل کر قارئین کو افسانے سے دور کر دیا۔"(1)

افسانہ کی بنیادی اینٹ کہانی ہے۔ کہانی واقعات کا تسلسل ہے اور واقعات زندگی میں رونما ہوتے ہیں۔ افسانہ زندگی سے مستعار ہے اس لیے افسانہ و کہانی ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکیسویں صدی میں ایک بار پھر بیانیہ افسانوں کی واپسی ہوئی اور گم شدہ کہانی کی بازیافت پر گمشدہ قارئین کی بھی واپسی ہونے لگی۔ اردو افسانہ کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کے ارتقا کی رفتار زندگی کے نشیب و فراز سے پوری طرح ہم

آہنگ رہی ہے۔ افسانہ نے زندگی کے تغیر و تبدل اور اس کی مختلف کیفیات کو بڑی فنکاری سے اپنے دامن میں جگہ دی ہے۔ بقول قمر رئیس:

"جدید نثری ادب میں افسانہ سے زیادہ ترقی پذیر کوئی دوسری صنف نہیں۔ پھر یہ کہ اس صنف کا ارتقا ایک خط مستقیم کی صورت میں نہیں ہوا بلکہ مختلف، متوازی اور کہیں کہیں متضاد لہروں کی صورت میں ہوا ہے۔"(2)

اردو افسانہ کے ارتقا کا سفر اکیسویں صدی میں پوری آب تاب سے جاری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس صدی کے افسانہ نگاروں نے قارئین کا رشتہ کہانی کی صورت میں ادب سے ایک بار پھر سے جوڑ دیا ہے۔ اکیسویں صدی میں نئے لکھنے والوں کے ساتھ ساتھ پرانے لکھنے والوں نے بھی نئے موضوعات اور نئے انداز سے افسانے لکھے ہیں اور لکھ رہے ہیں۔

اکیسویں صدی کے نئے افسانہ نگاروں میں ایک اہم اضافہ اردو پشتو کے معروف شاعر، نقاد اور محقق پروفیسر ڈاکٹر اظہار اللہ اظہار کا ہے جن کا پہلا افسانوی مجموعہ "آخری افسانہ" "ادب محل" (سٹی ٹاور، کابلی بازار، پشاور) نے شائع کیا۔ ۱۴۴ صفحات کا یہ مجموعہ سولہ افسانوں پر مشتمل ہے۔

"آخری افسانہ" میں شامل بیشتر افسانے فنی حوالے سے مربوط ہیں جن میں پہلے سے طے شدہ پلاٹ کے مطابق کہانی سادہ اور سلیس انداز میں آگے بڑھتی ہے۔ زیادہ تر افسانوں میں افسانہ کے مروجہ ٹریجڈی اور چونکا دینے والے اختتام کی بجائے خوشگوار حیرت اور شکر گزاری کے احساس پر اختتام ہوتا ہے۔ اس وجہ سے کئی افسانوں پر محض کہانی کا گمان ہوتا ہے۔

مذکورہ افسانوی مجموعہ میں کرداروں کی بہتات نہیں ہیں۔ زیادہ تر افسانوں میں دو یا تین تین کردار ہیں۔ جن میں عموماً ایک کردار کچھ سوالات اٹھاتا ہے اور دوسرا (مرکزی) کردار فلسفیانہ مگر (روایتی) مذہبی رنگ میں ان کے جوابات دیتا ہے۔ ان سوالات کے جوابات تشنہ محسوس ہوتے ہیں وجہ یہ ہے کہ جہاں سائنس اور فلسفہ کو مخصوص مذہبی عینک سے دیکھا جائے وہاں ایک تشنہ خاموشی طاری ہو جاتی ہے۔

"آخری افسانہ" کے افسانوں میں مکالمے کم، مختصر اور کرداروں کے عین مطابق ہیں۔ تاہم جہاں جہاں مکالمے طویل یا خود کلامی کے انداز میں لکھے گیے ہیں ان پر خطیبانہ اور ناصحانہ رنگ غالب نظر آتا ہے۔ بیشتر افسانے بیانیہ تکنیک میں لکھے گئے ہیں، تاہم کہیں کہیں مکالماتی، مکتوباتی، خود کلامی اور سفر نامہ کی تکنیک بھی آزمائی گئی ہے۔ ڈاکٹر اظہار اللہ اظہار چوں کہ بنیادی طور پر شاعر ہیں اور شاعری عموماً آسان اسلوب میں کرتے ہیں لیکن نثر میں نہایت

دقیق الفاظ اور مشکل تراکیب استعمال کرنے کے عادی ہیں۔ اس لیے اُن کی نثری اسلوب سیدھا سادہ بالکل نہیں ہے۔ "آخری افسانہ" میں معاملہ اس کے بر عکس ہے۔ اس کا اسلوب نہایت آسان اور زبان عام فہم ہے۔ اسی پس منظر میں پروفیسر خالد سہیل اُن کے افسانوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اظہار "آخری افسانہ" میں بھی شاعری کرتے دکھائی دیے۔"(3)

اکیسویں صدی میں اردو افسانہ نئی منزلوں کو چھو رہا ہے اور نت نئے عصری رجحانات اور موضوعات اس میں داخل ہو رہے ہیں۔ موضوعاتی حوالے سے نیا افسانہ گذشتہ صدی کے افسانوں سے بہت حد تک مختلف ہے۔ اردو افسانے کا یہ نیا منظر نامہ عصری حقائق، سائنس و ٹیکنالوجی سے جڑے مسائل اور فلسفہ و مذہب سے جڑے نئے سوالات کے جوابات کو تلاشتا ہے۔ اس صدی کے افسانہ کے اہم موضوعات میں پروان چڑھتی نئی تہذیب، پرانی قدروں کی بے قدری، مذہبی، مسلکی اور لسانی تعصب، پرانی اور نئی نسل میں ذہنی خلیج، بھوک ،افلاس وبے روزگاری، سیاسی ،سماجی، معاشی استحصال، ماحولیاتی آلودگی، موسمیاتی شدت اور دہشت گردی کی غفریت سمیت سوشل میڈیا، اسمارٹ فون اور سائبر دنیا شامل ہیں۔

ڈاکٹر اظہاراللہ اظہار کے مذکورہ افسانوی مجموعے کا فکری و موضوعاتی جائزہ لیا جائے تو بیشتر افسانوں کا موضوع عہد نو کا انسان ہے۔ جو مذہبی حوالے سے تشکیک، رشتوں میں دراڑ، محبت میں بے یقینی، تہذیب واقدار میں بدلاؤ اور زندگی میں قدم قدم پر مقابلہ بازی کی وجہ سے تیز رفتاری کا شکار ہے۔ نئی اور پرانی نسل میں ایک خلیج ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ گہری ہوتی جارہی ہے۔ نئے دور کے اپنے تقاضے ہیں اور پرانی نسل کے اپنے ریت روایات ہیں جن سے ٹکراؤ کی ایک فضا بنتی ہے اور جسے افسانہ نگار نے کمال خوبصورتی سے اپنے افسانوں میں کہانی کی صورت پیش کیا ہے۔ افسانہ نگار نے ان مسائل کو اپنے افسانوں میں محض بیان نہیں کیا بلکہ اپنی حد تک ان کا حل بھی پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ جیسے افسانہ "بازیافت"، "پہلی بارش" اور "پروفیسر" کا موضوع تانیثیت ہے جن میں افسانہ نگار واضح کرتا ہے کہ جدید دور کی عورت مغرب کی اندھا دھند تقلید میں خود کو اپنے بنیادی حقوق، مرتبہ و مقام اور رشتوں کی تقدیس سے محروم کر رہی ہے۔

افسانہ "بازیافت" میں حمیرہ جدید دور کی ایسی عورت ہے جو سماجی و معاشرتی اقدار اور مذہبی حدبندیوں سے اس لیے بغاوت کرتی ہیں کہ اپنی محبت کی معراج پالے۔ حالانکہ وہ پہلے سے شادی شدہ ہوتی ہے مگر اس کے باوجود ایک غیر مرد سے نہ صرف محبت کا دم بھرتی ہیں بلکہ ایسا کرنا عین اپنا حق بھی سمجھتی ہیں۔ اسی طرح "پہلی بارش" میں اسی ذہنیت کی مالک

ایک نسوانی کردار تانیہ کی جب شادی ہو تی ہے تو وہ مرد کو بطورِ شوہر بھی قبول نہیں کرتی۔ حالانکہ اُس کا شوہر ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ وکیل اور ذہنی طور پر جدید دور کا انسان ہو تا ہے۔ ایک عرصے تک ذہنی پیچیدگیوں اور الجھنوں میں گرے رہنے کے بعد مرد کے حوالے سے تانیہ کی غلط فہمیاں دور ہو جاتی ہیں اور بالآخر ان کی بے سکون زندگی میں ٹھہراؤ آجاتا ہے۔ اسی طرح افسانہ "پروفیسر" میں پہلے شاندانہ کا خیال ہوتا ہے:

> "مجھے مردانہ معاشرے کا یہ جبر منظور نہیں۔ مرد خود تو کسی پابندی کو قبول نہیں کرتا، جب چاہے اقدار کو پاؤں تلے روند دیتا ہے۔"(4)

لیکن پھر اس کا باپ پروفیسر تیمور اسے صراحت سے سمجھاتا ہے کہ نسوانی آزادی کی آڑ میں باپ بیٹی کے مقدس ترین رشتے کو بھینٹ چڑھانے میں بھی شاید اسی جدید تشکیل پذیر معاشرے کا ہاتھ ہے جس کے اثرات سے تمہیں محفوظ رکھنے کو تم خود پر جبر قرار دے رہی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ افسانہ کے اختتام پر شاندانہ کے خیالات بدل جاتے ہیں اور وہ یہ کہنے پر مجبور ہو جاتی ہیں:

> " آپ نے جو کچھ کہا وہی پوری سچائی ہے۔ سب میرے دیکھنے اور سمجھنے کا قصور ہے۔۔۔ میں زندگی کو مرد اور عورت کی جنگ سمجھتی رہی۔ وہ عظمت مجھے نظر ہی نہ آئی جو میرے ارد گرد حفاظتی حصار بنی رہی۔"(5)

افسانہ "رابطے" میں جدید دور میں انٹرنیٹ، اسمارٹ فون، گوگل اور سوشل میڈیا کے توسط سے رابطوں میں آسائش و آسانیوں سے ہٹ کر اس کے منفی پہلوؤں کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ کس طرح دورِ جدید میں سائنس و ٹیکنالوجی کے جدید ترین ایجادات و آلات نے سماجی سطح پر معاشرے کے مرکزی تاروپود کو ادھیڑ کے رکھ دیا ہے۔ اس افسانے کا مرکزی کردار "الطاف" موجودہ "سائبر ورلڈ" میں شدید ذہنی خلفشار کا شکار ہے:

> "الطاف نے خود سے مکالمہ کرتے ہوئے کہا کہ عہد جدید کی اس ایجاد نے تاریخ، ثقافت، عقائد، روایات، نظریات، ترجیحات کو اس قدر مسخ کر دیا ہے کہ جیسے بگڑے ہوئے آئینے میں ایک چہرہ کئی بدنما بہروپ اختیار کر لیتا ہے اور آدمی اپنی پہچان کھو بیٹھتا ہے۔"(6)

اپنی پہچان کو کھو جانے کے خوف سے الطاف لرز جاتا ہے۔ حالانکہ وہ بھی اسی دور کا پروردہ اور انہی ایجادات کے بے جا استعمال کے علت کا شکار ہے۔ تاہم اندرونی انتشار اسے چین سے بیٹھنے نہیں دیتی اور وہ بار بار سوچتا ہے:

"اس ایجاد نے نوعِ انسانی سے اس کی قدریں، روایات، ثقافت یہاں تک کہ معتقدات بھی اچک لیے ہیں۔ الحاد، بے یقینی، تذبذب، آوارگی، بے حیائی اور لایعنیت کو بھی اس کارآمد ایجاد نے عروج تک پہنچا دیا ہے۔"(7)

غیر شعوری طور پر افسانہ نگار تمام گلوں شکوں اور اعتراضات کے باوجود یہ تسلیم کرتا ہے کہ سمارٹ فون ایک کارآمد ایجاد ہے۔

اس افسانہ "رابطے" میں راستے میں لوگوں کا بے ہنگم شور، باپ بیٹے میں تیز اور چیختے چلاتے مکالمے، ایک فیشن ایبل جوڑے میں خریداری کو لے کر بیچ بازار میں جھگڑا، اسمارٹ فونز ہاتھ میں پکڑے ایک دوسرے سے ٹکراتے لوگ، الطاف کا بار بار اپنی بیگم شائلہ کا نمبر ڈائل کرنا اور ہر بار اس کا نمبر مصروف آنا، ٹریلا ڈرائیور کا تیز رفتاری سے ڈرائیونگ کرنا اور الطاف کا گاڑی میں سکرین پر بار بار چینل بدلنا موجودہ دور میں زندگی کی مصروفیت اور تیز رفتاری کو ظاہر کرتی ہیں۔ اس کے باوجود افسانہ نگار بخوبی جانتا ہے کہ وہ وقت کا پہیا الٹا نہیں گھما سکتا۔ اس لیے تو الطاف افسانے کے آخر میں اپنے اسمارٹ فون کو کرچی کرچی کرتے ہوئے کہتا ہے:

"میں تجھ سے نسلوں کی بربادی اور گھر کی تباہی کا انتقام تو نہیں لے سکتا لیکن اپنے حصے کے گناہ کو ختم کر دیا ہے۔"(8)

اس افسانہ "رابطے" کا مرکزی کردار الطاف نئے دور کا ایک ایسا انسان ہے جو زندگی کی معنویت کو سمجھتا ہے اور پیچ در پیچ الجھے حالات سے آنکھ ملانے کا حوصلہ بھی رکھتا ہے۔ وہ زندگی کی تیز رفتاری سے نہ صرف آگاہ ہے بلکہ اس پر ردعمل بھی دیتا ہے۔

افسانہ "جنریشن گیپ" پر ناسٹلجیا کی فضا چھائی ہوئی ہے۔ اس افسانے میں دادا اور پوتے کے کرداروں کے باہم مکالموں کے ذریعے جدید دور کی تیز رفتاری، بے تحاشہ مصروفیت، ڈھلتی تہذیب اور ماضی وحال کا موازنہ کیا گیا ہے۔ دادا جان اپنے پوتے سے شکایت کرتا ہے کہ اب آپ لوگوں کے پاس بزرگوں سے ملنے، ان کے پاس بیٹھنے، ان کا حال احوال پوچھنے کی فرصت نہیں ہے:

"بڑھاپا تو سب پر آتا ہے۔ بیماری اور صحت تو اللہ کی طرف سے ہے۔ کوئی کسی کو صحت نہیں دے سکتا لیکن اپنوں کی تیمارداری سے دل کو تسلی ہوتی ہے۔ بزرگوں کے پاس نسلوں کو دینے کے لیے بہت کچھ ہوتا ہے۔ دعائیں ہوتی ہیں، تجربے ہوتے ہیں لیکن وہ ایسی بے رخی کو دیکھتے ہیں تو خاموش رہنے میں عافیت سمجھتے ہیں۔ اپنوں کی بے توجہی دشمنوں کی گولی سے بھی زیادہ مہلک ثابت ہوتی ہے۔"(9)

پرانی نسل سمجھتی ہے:

"انسان اسی رفتار سے آگے بڑھے گا تو مشین بن جائے گا اور احساسات سے عاری مجسمے زندگی کا شعور ہی نہیں رکھتے۔ یہ تیز رفتاری رشتے تو کیا رابطوں کو بھی درہم برہم کر رہی ہے۔ ہمارا زمانہ بڑا پر سکون رہا ہے۔ نیند آئی تو سو دیے، بھوک لگی تو کھانا تناول کیا۔ ایک دوسری کی خبر گیری کے لیے ہمارے پاس وقت ہوتا تھا۔ مسجد و حجرہ سلامت تھا۔ اب تو لگتا ہے قیامت آگئی ہے۔ آدمی آدمی کے سایے سے بھاگتا ہے۔ ذائقے روٹھ گیے ہیں۔"(10)

جب کہ نئی نسل کا نمائندہ پوتا کہتا ہے:

"دادا جان! اس تیز رفتار دور کی آزمائشوں سے مقابلہ نہ کرنے والے انسان کا زندہ رہنا بھی ممکن نہیں۔ جس زمانے کی ایک جھلک دیکھ کر آپ کے ذائقے روٹھ گئے۔ اسی ابتلا میں نئی نسل اپنے حصے کی زندگی جی رہی ہے۔"(11)

پھر دادا جان اپنے پوتے کو ایک کہانی سناتا ہے۔ خالص محبت کی کہانی۔ اور یہی کہانی اس افسانے کی خاص بات ہے۔ آخر میں پوتا اپنے دادا کو جدید دور کی تیز رفتاری، مقابلہ بازی، نئی نسل کے نئے مسائل، مجبوریاں اور اسی نسل کی اتنی مصروفیت کے باوجود اپنے بزرگوں کی خدمت و احترام سے آگاہ کرتا ہے اور یوں نئی اور پرانی نسل میں موجود غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس افسانہ میں افسانہ نگار بتاتا ہے کہ نئی نسل کا دل بھی پرانی نسل کے ساتھ دھڑکتا ہے مگر وقت کی کمی کے باعث اظہار سے محروم رہتے ہیں۔ بس ان کے درمیان مکالمہ ہونا چاہیے۔ نئی نسل کو چاہیے کہ محبت کو اپنے دل کے نہاں خانوں تک محدود نہ رکھے بلکہ اس کے اظہار کے لیے راستے تلاش کرے۔

افسانہ "سچائی" "محبت"، "بلاجواز"، "سزا" اور "واپسی" رومانوی افسانے ہیں، جن میں محبت کے روایتی منظر نامے کو پیش کیا گیا ہے۔ تاہم ان افسانوں میں افسانہ نگار کا انداز بیان حد درجہ ناصحانہ ہے۔ البتہ افسانہ "فریکونسی" میں محبت کو ایک نئے زوایے یعنی اس کے سائنسی پہلو کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ اسی طرح اس مجموعہ میں شامل ایک اور افسانہ "پچھتاوا" ہے جس کے عنوان سے اس کا مرکزی خیال بھی ظاہر ہے۔ یہ بھی ایک ناصحانہ قسم کا افسانہ ہے جس میں ایک کردار پہلے اپنی بیوی کو تشدد کا نشانہ بناتا ہے اور پھر خود احتسابی کے عمل سے گزر کر شدید قسم کے پچھتاوے کا شکار ہوتا ہے۔

افسانہ "اکائی" جدید دور کے انسان کے مذہب و عقیدے کے بارے میں تشکیک ،مافوق الفطرت عناصر و واقعات کی صحت کے بارے میں کے بارے میں ذہن میں اٹھتے سوالات اور ہر چیز و ہر عمل کو عقل و سائنس کی کسوٹی پر پرکھنے کے حوالے سے ہے۔

افسانے کا مرکزی کردار سالار ایک یونیورسٹی میں فلسفے کا طالب علم ہے۔ وہ روح اور جسم میں موجود اکائی کی بنیاد کی تلاش میں ہے۔ اسے یونیورسٹی کے پروفیسرز مطمئن نہیں کر پاتے۔ پھر وہ یہی سوالات مولوی قطب الدین کے سامنے رکھتا ہے۔ مولوی صاحب انہیں سمجھانے کو شش کرتے ہیں:

"بیٹا گتھیاں سلجھانے سے زیادہ دل کی بیداری پر توجہ دو۔ جاگتے رہو، غفلت میں نہ پڑو۔

لیکن مولوی صاحب یہ تو وہی روایتی جواب ہے جسے صدیوں سے دہرایا جاتا رہا ہے۔ سائنسی تیز رفتاری نے اسے بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ معاف کیجیے گا، اس سے میرا دل مطمئن نہیں ہوا۔"(12)

افسانہ نگار کے نزدیک یہی اس عہد کا سب سے بڑا المیہ ہے کہ جدید دور میں جدید ذہنیت رکھنے والے سائنس و ٹیکنالوجی کے پروردہ لوگ علت اور معلول پر ایمان رکھتے ہیں اور جب تک چیزیں ریزن اور لاجیک پر ثابت نہ ہو، اُن پر یقین کے حوالے سے تشکیک کا شکار رہتے ہیں۔ ایک طرف مذہبی حوالے سے ہر چیز کا ادراک عقل یا سائنس سے ممکن نہیں تو دوسری جانب مذہبی پیشواؤں نے طب، سائنس اور ٹیکنالوجی کی تشریح کی وہ ذمہ داری اپنے تیئں لی ہے جو ان کی ذمہ داری ہے ہی نہیں۔ نتیجتاً آج کا شاگرد اپنے اُستاد کو روایتی اور فرسودہ ذہن کا مالک قرار دے کر ان کے جوابات سے مطمئن نہیں ہوتا۔

"آخری افسانہ" اس مجموعے میں شامل ایسا افسانہ ہے جس کے عنوان پر مجموعے کا نام بھی رکھا گیا ہے۔ یہ افسانہ موضوع اور تکنیک دونوں حوالوں سے انفرادی نوعیت کا حامل ہے۔ اس کا موضوع مشرق و مغرب کا تصادم ہے جس میں مغرب کو ایک ایسے الہڑ دوشیزہ کے روپ میں پیش کیا گیا ہے جو مشرق کو اپنے حسن اور اداؤں سے اپنا غلام بناتی ہیں۔ اگرچہ اس کی مشاطگی مشرق کے ہاتھوں ہوتی ہے مگر پھر یہی قتالہ مشرق ہی کو لوٹتی ہیں۔ یوں افسانہ نگار نے مشرق کی نو آبادیاتی محکومی کو ایک افسانوی رنگ میں کمال خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔

بحیثیت مجموعی "آخری بار" جدید حسیات پر مشتمل ایسا افسانوی مجموعہ ہے جس میں دورِ جدید کا انسان سائنس و ٹیکنالوجی اور مادہ پرستی کی دوڑ کی وجہ سے وقت کی تیز رفتاری اور دباؤ کا شکار ہے۔ اس کے پاس اقدار سے جڑے رہنے کے لیے وقت نہیں ہے۔ جدید تصورات نے اسے تشکیک پسند بنادیا ہے۔ تانیثیت پر مبنی تحاریک اور مذہب بیزار نظریات نے معاشرتی خلیج کو گہرا کر دیا ہے۔ نئی اور پرانی نسل میں فاصلے بڑھ رہے ہیں۔ آج کا جدید انسان شدید قسم کے ذہنی انتشار اور خلفشار کا شکار ہے۔ ڈاکٹر اظہار اللہ اظہار نے اپنے افسانوی

مجموعے میں انہی مسائل اور موضوعات کو افسانوی رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور ان کی یہ کوشش بہت حد تک کامیاب نظر آتی ہے۔

حوالہ جات

1۔ انیس ناگی، نئے افسانے کی کہانی، جمالیات، لاہور، 2008ء ص20

2۔ قمر رئیس، تنقیدی تناظر، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ، 1978ء، ص50

3۔ پروفیسر خالد سہیل ملک، آخری افسانہ از ڈاکٹر اظہار، غیر مطبوعہ

4۔ ڈاکٹر اظہاراللہ اظہار، آخری افسانہ، ادب محل سٹی ٹاور، کابلی بازار پشاور، جنوری 2021ء، ص27

5۔ ایضاً، ص30

۶۔ ایضاً، ص16

۷۔ ایضاً، ص17

۸۔ ایضاً، ص19

۹۔ ایضاً، ص43

۱۰۔ ایضاً، ص46

۱1۔ ایضاً، ص46

۱۲۔ ایضاً، ص21